سورۂ تین

مکہ مکرمہ میں نازل ہوا اس میں آٹھ آیتیں ہیں

ماقبل سے ربط اس سورت شریفہ کا ربط اور سورت ماقبل سے اس کی مناسبت اس طرح ہے کہ ماقبل سورت کریمہ میں حضور سید الانس والجان و اکرم خلق الرحمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات خاصہ اور آپ پر اللہ سبحانہ کے جو مخصوص عنایات و الطاف ہیں ان کا بیان فرمایا گیا تھا۔ اب اس سورت شریفہ میں حضور اکرم الخلق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات عالیہ کے بیان کے ساتھ یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ جو لوگ آپ پر ایمان لاتے اور آپ کی ہدایات پر عمل پیرا ہوتے ہیں ان کے مدارج عالیہ کیا ہیں؟ نیز جو ایمان و عمل صالح سے دور رہیں وہ کس ورطۂ تنزل میں پڑے رہیں گے؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے"

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۙ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۙ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۙ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۞

قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی اور طور سینین کی اور اس شہر کی جو امن والا ہے بے شک ہم نے بنایا انسان کو بہتر سے بہتر انداز ے پر۔"

والتین کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ، حسن بصریؒ، ابراہیم نخعیؒ، عطاءؒ، مقاتلؒ اور کلبیؒ رضوان اللہ علیہم اجمعین جو ائمہ تفسیر ہیں سب کے سب اس امر پر متفق ہیں: — تینکم الذی تاکلون وزیتونکم الذی تعصرون منه الزیت۔ (مظہری) تین یعنی انجیر سے یہاں وہی انجیر مراد ہے جس کو تم سب لوگ کھاتے ہیں۔ اور زیتون سے یہی زیتون کے پھل مراد ہیں جس کو نچوڑ کر روغن زیتون نکالتے ہیں۔" اس میوے اور اس پھل کی قسم دینے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے فوائد و منافع اور افعال و خواص بے شمار ہیں۔

انجیر کے فوائد و منافع انجیر خوش ذائقہ اور لطیف غذا ہے جو بہت جلد ہضم ہو جاتی ہے۔ اور اس اعتبار سے کہ اس کا کوئی حصہ مغز ہو یا پوست و تخم پھینکنے کے قابل نہیں بلکہ کھانے کے قابل ہے اور کھایا جاتا ہے وہ جنتی میووں کے مشابہ ہے کہ وہاں کے میوے بھی پورے پورے کھا لینے کے قابل ہوں گے

خواہ پوست ہو یا مغز، انکا رس ہو یا گٹھلی، بلکہ حدیث شریف میں یہ صراحت آئی ہے کہ جنتی میووں میں گٹھلی نہ ہوگی۔ نیز انجیر میوہ ہے جو تفکُّہ کے طور پر کھایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ انجیر دوا بھی ہے جو مختلف بیماریوں میں بطور علاج استعمال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ تفسیر نیشاپوری میں ہے :۔ اھدی لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم طبق من تین فاکل منہ وقال لاصحابہ کلوا۔ فلو قلت ان فاکھۃ نزلت من الجنّۃ لقلت ھذہ لان فاکھۃ الجنّۃ بلا عجم فکلوہ فانّہ یقطع البواسیر و ینفع من النقرس۔ (رواہ ابوذر) حضور اطہر صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں انجیر کا ایک طبق لایا گیا تو آپ نے اس کو تناول فرمایا اور اپنے اصحاب کبارؓ سے فرمایا کہ تم بھی کھانے میں شریک ہو جاؤ۔ اگر میں یوں کہوں کہ جنت سے ایک بہترین میوہ اتر آیا ہے تو میں ضرور یہ کہتا کہ وہ جنتی میوہ یہی ہے۔ کیونکہ جنت کے میووں میں گٹھلی نہیں ہوتی۔ لہذا اس کو کھاؤ کیونکہ یہ بواسیر کو دفع کرتا ہے اور نقرس کے لئے بھی مفید ہے۔" کتب طب سے پتہ چلتا ہے کہ انجیر وجع مفاصل اور دفع اورام کے لئے بھی مفید ہے۔

انجیر غذا بھی ہے اور میوہ اور دوا بھی | انجیر کا غذا ہونا بالکل کھلی ہوئی بات ہے

کیوں کہ جن ممالک میں اس کے درختوں کی کثرت ہے اور تمام جنگل اس سے بھرے پڑے ہوتے ہیں تو وہاں کے باشندے انجیروں ہی سے اپنا پیٹ بھر لیتے ہیں اور انجیر ہی ان کی عام غذا ہوتی ہے۔ انجیر کو نہار کھانا صحت کے لئے بہت ہی مفید بتایا گیا ہے۔ دوسرے ممالک جہاں ان کی ایسی بہتات نہیں اس کو میوے کے طور پر کھاتے اور اس خوش ذائقہ، لطیف اور خوشگوار میوے سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ مریض اس کو مخصوص امراض میں بطور دوا و علاج استعمال کرتے ہیں۔ طب کی کتابوں میں اس کے منافع اور فوائد بے شمار بتلائے گئے ہیں۔ طب نبویؐ سے بواسیر اور نقرس کے لئے اس کا مفید ہونا ابھی ابھی معلوم ہوا۔ سُدّے معدہ میں ہوں یا رگوں اور شرائین وغیرہ میں، انجیر کے استعمال سے کھُل جاتے ہیں۔ جگر کو تقویت دیتا، طحال کے ورم کو دفع کرتا ہے۔ خفقان۔ کھانسی۔ درد سینہ اور رگردوں کے لئے بہت مفید ہے۔ حضرت سیدنا علی موسیٰ رضا علیٰ جدہ وعلیہ السلام فرماتے ہیں:— التین یزیل نکھۃ الفم ویطول الشعر وھو امان من الفالج، انجیر سے منہ کی بدبو دفع ہوتی بال بڑھتے ہیں اور اس کے کھانے سے فالج جیسا موذی اور مہلک مرض لاحق ہونے نہیں پاتا۔ غرض اس کے فوائد و منافع بکثرت ہیں۔ انجیر کے بارے میں کہا گیا ہے:—

یا اشبہ شجرتہ بمؤثر علی نفسہ و بکریم یفعل ولا یقول۔ الخیر

ت کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو اپنی جان پر کھیل کر دوسروں پر ایثار

ر نفع پہنچاتا ہے اور اس کی مثال ایسے سخی کی ہے جو اپنی سخاوت کے نمونے

ت دکھاتا رہتا ہے مگر کبھی زبان سے کچھ نہیں کہتا۔"

زیتون کے فوائد و منافع یہی حال زیتون کا ہے کہ اس کے منافع اور فوائد کا بھی کوئی ٹھکانا نہیں۔ یہ نانخورش (سالن) بھی ہے اور میوہ بھی اور دوا بھی۔ اس کی چٹنی حد درجہ ہاضم' مقوی ہے۔ اس کے استعمال سے رنگ صاف ہوتا' اخلاط کی صفائی ہوتی' سُدّے کھلتے' جراثیم دفع ہوتے' پیشاب صاف آتا' کنکری جو مثانے یا گردوں میں پیدا ہوتی ہے وہ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو کر نکل جاتی ہے۔ چھائیاں اور دھبے دفع ہوتے' بینائی کی قوت بڑھتی ہے۔ اس کی فضیلت اور کیا ہوگی کہ مساجد کی روشنی اسی کے تیل سے کی جاتی رہی ہے۔ قرآن کریم میں اس کی تعریف یوں وارد ہوئی ہے۔ شجرۃ مّبارکۃ زیتونۃ۔ زیتون کا نہایت ہی بابرکت درخت۔" دوسری جگہ ارشاد ہوا:۔ وشجرۃً تخرج من طور سینآء تنبت بالدھن وصبغ للاکلین۔ اور وہ درخت (بھی اللہ سبحانہ نے پیدا کیا ہے) جو طور سینا (کے مبارک مقام) سے نمودار ہوتا ہے

روغن اُگاتا ہے اور (روٹی) کھانے والوں کے لئے سالن کا کام دیتا ہے "
بدن پر اس کی مالش کی جاتی ہے تو میل کچیل صاف ہوتا۔ رنگ نکھرتا، درد
اور بدن میں قوت پیدا ہوتی ہے۔ بہرحال انجیر اور زیتون جن کے فوائد
ہیں ان کی قسم دی جارہی اور ان کو گواہ ٹھہرایا جارہا ہے۔ آگے آنے والے د
یہ تفسیر اس اعتبار سے ہے کہ تین اور زیتون سے حقیقۃً انجیر اور زیتون ہی
مراد لیا جائے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ مجاہد، حسن بصری وغیرہم سے مروی ہے۔

دوسری تفسیر | بعض مفسرین کرام نے انجیر و زیتون بکثرت پیدا ہونے والے مقامات مراد لئے ہیں۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں:۔ لما نزلت سورة التين على رسول الله صلى الله عليه وسلم فرح بها فرحا شديدا حتى تبين لنا شدة فرحه فسألنا ابن عباسؓ عن تفسيرها فقال التين بلاد الشام والزيتون بلاد فلسطين وطور سينين الذى كلم الله موسى عليه وهذا البلد الامين مكة۔ (خطیب بغدادیؒ ابن عساکر) جب حضور سید المرسلین صلوات اللہ و سلامہ علیہ وعلیہم اجمعین پر سورۂ تین (جو مکہ مکرمہ ہی میں) نازل ہوا تھا (آپ کے پاس پڑھا گیا) تو آپ اس سے بہت ہی خوش ہوئے اتنا کہ کمال مسرت کے آثار ہم پر بھی نمایاں ہوئے۔ پھر (ایک عرصہ بعد) ہم نے اس کی تفسیر ابن عباسؓ سے دریافت کی۔ انھوں نے کہا کہ تین (انجیر) سے بلاد شام (دمشق، بیت المقدس وغیرہ) مراد ہیں (جہاں انجیر کے درختوں کی کثرت ہے وہاں کے تمام پہاڑ بھی ان درختوں سے پٹے ہوئے ہیں) اور زیتون سے بلاد فلسطین (شرق اردن وغیرہ) مراد ہیں (جہاں زیتون کے درختوں کی کثرت ہے) اور طور سینین (وہی پہاڑ ہے جس پر سے) اللہ سبحانہ تعالیٰ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہمکلامی ہوئی۔ اور اس امن والے شہر سے مکہ مکرمہ مراد ہے،

ان مقامات اور ان پہاڑوں کی قسم اس اعتبار سے کہ یہ متبرک مقامات، جلیل القدر انبیائے کرام و رسل عظام، علی نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام کی پیدائش کے مقامات ہیں جہاں وحی الٰہی نازل ہوتی رہی ۔ حضرت قتادہ والتین والزیتون کی تفسیر میں فرماتے ہیں :۔ التین الجبل الذی علیہ دمشق والزیتون الذی علیہ بیت المقدس وطور سینین قال جبل بالشام مبارک حسن ذو شجر وھذا البلد الامین قال مکۃ ۔ (عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن عساکر) **تین** سے وہ پہاڑ مراد ہے جس پر شہر دمشق آباد ہے اور **زیتون** وہ پہاڑ ہے جس پر بیت المقدس واقع ہے اور **طور سینین** ملک شام کے ایک پہاڑ کا نام ہے جو بڑی برکت والا اور نہایت حسین و خوب صورت ہے (جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیدار الٰہی اور شرف مکالمت حاصل ہوا) اور اس امن والے شہر سے مکہ مکرمہ مراد ہے ''زادہا اللّٰہ تعالیٰ شرفاً وتعظیماً ۔ جہاں حضور سرور دو جہاں علیہ صلوات الرحمان کی ولادت باسعادت عمل میں آئی ۔ اور حضرت ابو حبیب حارث بن محمد فرماتے ہیں :۔ اربعۃ جبال مقدسۃ بین یدی اللّٰہ تعالیٰ، طور زیتا وطور سینا وطور تینا وطور تیما وھو قول اللّٰہ والتین والزیتون وطور

سینین وھذا البلد الامین فاماطور زیتا فبیت المقدس واماطور سینا فالطور، واماطور تینا فدمشق واما طور تیما فمکۃ۔ (سعید بن منصور) چار پہاڑ ہیں جو اللہ سبحانہ کے نزدیک نہایت مقدس ہیں۔ طور زیتا، طور سینا، طور تینا، اور طور تیما، ارشاد باری تعالیٰ والتین والزیتون وطور سینین وھذا البلد الامین میں ان ہی چار مقدس پہاڑوں کی طرف اشارہ ہے۔ ان میں سے طور زیتا بیت المقدس ہے اور طور سینا وہی پہاڑ ہے جو کوہِ طور کے نام سے مشہور ہے۔ اور طور تینا دمشق ہے رہا طور تیما، اس سے مکۂ مکرمہ مراد ہے۔" اس سلسلہ میں اور بھی اقوال اور روایات ہیں۔

احسن تقویم کی تفسیر غرض ان چار چیزوں، یا چار مقدس پہاڑوں کی قسم سے موثق و موکد کر کے اور ان کو گواہ ٹھہرا کر ارشاد ہو رہا ہے: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ۔ بے شک ہم نے پیدا کیا انسان کو بہترین انداز سے، بہتر سے بہتر قامت اور اچھی سے اچھی صورت میں" کہ اس سے بہتر کوئی اندازہ کوئی قامت اور کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ جس میں ہر کمال کی استعداد اور ہر نوع کی صلاحیت اس درجہ ودیعت ہے کہ ہجدہ ہزار مخلوقات میں سے کوئی مخلوق بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ سارا عالم اس کے آگے قاصر اور عاجز ہے۔

کائنات پر انسان کی برتری

کائنات پر نظر کیجئے تو معلوم ہو گا کہ وہ جمادات ہیں یا نباتات، حیوانات ہیں یا انسان اشرف المخلوقات، ان میں سے جو جمادات ہیں ان کا حال یہ ہے کہ وہ ایک حال پر ایک جگہ رکھے ہوئے ہیں۔ ان میں حرکت نام کو نہیں ہے۔ نباتات بھی اپنی جگہ سے ہٹ نہیں سکتے اگرچہ وہ ہوا کے جھونکوں سے ہلتے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن ان کی یہ حرکت ارادی نہیں۔ حیوانات متحرک بالارادہ ہیں اور حس بھی رکھتے ہیں لیکن پیدائشی طور پر ان کے سر یا تو جھکے ہوئے ہیں جیسے اپنے پاؤں پر چلنے والے جانور، یا ایسے جانور ہیں جو اپنے پیٹ کے بل رینگتے ہیں۔ مگر انسان ہی ایک ایسی مخلوق ہے جو حساس بھی ہے اور متحرک بالارادہ بھی۔ اس کے علاوہ صفت نُطق و گویائی کی بدولت سب سے ممتاز ہے اللہ سبحانہ نے اس کو راست قامت بنایا ہے۔ انسان کی یہ سربلندی اس کے علو مرتبت کی دلیل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ وان من شیئ الا یسبح بحمدہ کی بموجب کہ کائنات کی ہر کوئی چیز، اللہ سبحانہ تسبیح اور حمد میں لگی ہوئی ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ جمادات حالت قعود میں ہیں اور نباتات قیام میں۔ اسی طرح وہ حیوانات جو زمین پر چلتے ہیں رکوع میں ہیں اور رینگنے والے جانور سر بسجود ہیں تو یہ دعوی اس حد تک تسلیم ہے۔ لیکن انسان کی نسبت یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ

راست قامت ہونے کے اعتبار سے قیام میں ہے اور زمین پہ بیٹھا رہنے کے اعتبار سے قعود میں ہے۔ پھر وہ رکوع بھی کر سکتا ہے اور سجود بھی۔ لہٰذا انسان تمام اصناف کائنات اور ان کی عبادات کا جامع ہے۔ اور اسی سے اس کی فضیلت جملہ کائنات پر ثابت ہے۔

انسان کی قوت اور تدبیر

حیوانات میں سے بعض زمین پر چلتے ہیں۔ بعض ہوا میں اڑتے ہیں۔ بعض زمین پر رینگتے ہیں۔ بعض زیر زمیں اپنا مسکن بنائے ہوئے ہیں۔ جو جانور پانی میں رہتے ہیں وہ پانی پر تیرتے اور اس میں غوطہ لگاتے ہیں۔ انسان بھی زمین پر چلتا' ہوا میں اڑتا' زیر زمیں تہ خانے بناتا' پانی پر تیرتا اور اس میں غوطہ لگاتا ہے۔ انسان نہ صرف ان تمام کمالات کا جامع بلکہ جملہ حیوانات پر گوئے سبقت لے جاتا ہے۔ زمین پر چلنا ہو' یا ہوا میں اڑنا' زیر زمیں اپنا مسکن بنانا ہو یا پانی پر تیرنا اور اس میں غوطہ لگانا' یہ تمام امور ایسے ہیں کہ کوئی حیوان بھی انسان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ کتنے جانوروں پر سواری کرتا' اور کتنوں سے اپنے کام لیتا' ان کا دودھ پیتا' گوشت کھاتا' اور اپنی غذا بناتا ہے۔ کتنوں کا شکار کرتا اور ان کو قید و بند میں لاتا ہے۔ شیر کی قوت اور لومڑی کی حیلہ جوئی اور بہانہ سازی' انسان کے آگے ہیچ ہے' نہ صرف یہی بلکہ بڑے بڑے

پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کرتا، درختوں کو چیرتا، سمندروں کا رُخ بدل دیتا ہے۔ بر و بحر فضائے بسیط بلکہ افلاک پر بھی اس کی حکومت کا سکہ بیٹھا ہوا ہے۔ اب کوشش ہو رہی ہے اور وہ دن دور نہیں کہ چاند، زہرہ، مشتری و مریخ تک رسائی حاصل کرے۔ قدرت کا ایک ایک راز اس پر کھلتا جا رہا ہے اور صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک کائنات کی ایک ایک چیز کی تحقیق و تجسس میں لگا ہوا ہے۔ یہی استعداد اور اسی نوع کی بے شمار صلاحیتیں ہیں جن کے مدنظر ارشاد باری ہو رہا ہے :۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ بے شک ہم نے انسان کو بہتر سے بہتر اور اچھے سے اچھے اور حسین سے حسین انداز، قامت، اور صورت پر بنایا ہے۔"

انسان کا احسن تقویم میں ہونا رُوحانی اعتبار سے

یہاں تک تو انسان کی مادّی ترقیوں کا مختصر سا بیان تھا لیکن انسان کی جودتِ عقل اور جولانگاہِ فکر جو کائنات کی ظاہری تحقیق اور باطنی تدقیق کا ٹھیکہ لی ہوئی اور اس کا خود کو ذمہ دار بنائی ہوئی ہے اس کے قطع نظر بھی انسان میں وہ ملکاتِ فاضلہ اور استعداداتِ کاملہ ہیں کہ اس کی نظر عالمِ غیب و شہادت کا سنگم ہے اور افادہ و استفادہ کی بے پناہ قوت اپنے اندر رکھتی ہے جو طبعیات و عنصریات سے گزر کر عالمِ ملکوت پر اپنی برتری جتاتے ہوئے عالمِ لاہوت کی سیر کرتی ہے اور الٰہیات کے

تن کی شرح کرتی اور عجائبات الٰہیہ کی دریافت کرتی اور ما کان وما یکون کے پردے اٹھاتی ہے۔ اور وہ وہ کام کرتی یا ان کی خبر دیتی ہے جو ساکنین ملکوت کے بس کی بھی بات نہیں۔ انسان کی ان ہی صلاحیتوں اور استعداد کے پیش نظر یہ قطعہ کہا گیا ہے جو حضرت مولائے کائنات سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب ہے۔ ؎

دواؤک فیک ولا تشعر   وداءک فیک وما تبصر

وتزعم انک جرم صغیر   وفیک انطوی العالم الاکبر

اے انسان! تیری تمام درماندگیوں کا علاج تجھی میں ودیعت ہے لیکن تجھکو اس کا شعور نہیں، اور تیرے سارے امراض اور کوتاہیاں بھی تجھی میں ہیں لیکن یہ نکتہ تیری نظر سے اوجھل ہے تو اس خیال خام میں پھنسا ہوا ہے کہ کائنات کے مقابلہ میں تیری حیثیت ایک جرم صغیر اور جرثومۂ حقیر سے زیادہ نہیں۔ حالانکہ یہ تمام عالم اکبر تجھی میں سمایا ہوا ہے۔"

صفت کمال انسان سے مختص ہونا اسکی برتری کا ثبوت

علم حیوانات کے ماہرین کہتے ہیں کہ ہاتھی میں جس قدر اعضا وجوارح موجود ہیں وہ تمام کے تمام مچھر میں بھی موجود ہیں بایں ہمہ مچھر کو قدرت نے دو پر بھی دئے ہیں جن سے ہاتھی محروم ہے۔

یہیں سے سمجھ لیجئے کہ کائنات کے ساتھ انسان کی کیا نسبت ہے؟ خلاصہ یہ کہ اللہ سبحانہ نے تمام مخلوقات کے مقابلہ میں صفت کمال انسان اور صرف انسان کے حصے میں ودیعت رکھی ہے خواہ کوئی کمال نہ ہو۔ تنزل سے ترقی کی سمت، یا ترقی سے تنزل کی جانب۔ بہرحال کمال بجائے خود من حیث ھو کمال ایک صفت حسنہ ہے جو انسان کی ذات کے ساتھ مختص ہے مخلوقات میں سے کوئی مخلوق اس کی ہمسر نہیں ہے۔ اسی اعتبار سے ارشاد ہو رہا ہے:۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم "بے شک ہم نے انسان کو بہترین انداز ے پر پیدا کیا ہے کہ اس سے بہتر کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا" اس کے ساتھ ہی ہم کو اللہ سبحانہ کی نسبت یہ ماننا پڑے گا:۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین۔ پس اللہ سبحانہ کی ذات بڑی بابرکت ہے جو احسن الخالقین ہے" یوں تو صفت خلق و تخلیق، اللہ سبحانہ کی ذات کے سوا اور کہیں پائی نہیں جاتی۔ مدعیان باطل کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ جس خدا نے انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا وہی مستحق ہے اس امر کا کہ اس کو احسن الخالقین کہا جائے۔

انسان کے احسن تقویم میں ہونے کا ایک اور ثبوت

انسان کا احسن تقویم میں ہونا یوں بھی ثابت ہے کہ اللہ سبحانہ کے صفات سبعہ جن پر ایمان لانا ضروری ہے وہ یہ ہیں:۔ حیات، علم، سمع، بصر، کلام، ارادہ اور قدرت، حق سبحانہ

تعالیٰ نے ان ساتوں صفات کاملہ کا مظہر اور نمونہ انسان کو بنایا ہے اور یہ ساتوں صفات انسان کی ذات میں ودیعت رکھی ہیں۔ ان میں سے انسان کی ایک ایک صفت اللہ سبحانہ تعالیٰ کی صفات سبعہ کاملہ کی یاد دہی کرتی رہتی ہے۔ پھر انسان کو دیگر صفات الٰہیہ کی بابت حکم دیا گیا: تخلقوا باخلاق اللہ۔ کوشش کرو کہ اللہ سُبحانہ کے اخلاق، خود میں پیدا و نمایاں ہوں" رحم، عفو، کرم، وغیرہ سبھی صفات حسنہ اختیار کرنے کی تاکید فرمائی گئی۔ ظُلم سے روکا گیا، ضرورت پر انتقام کی اجازت دی گئی مگر اسی حد تک کہ جتنی بدسلوکی کسی نے کسی کے ساتھ کی ہو۔ اس حد سے تجاوز کو منع کیا گیا۔ اگر کوئی صورت ایسی ہو کہ بدسلوکی کی مقدار اور حد کی دریافت مشکل نظر آئے تو معافی دیدینے ہی کی ترغیب دی گئی۔ انسان کو جب خلیفۃ الرحمٰن بنایا گیا اور ملائکہ کرام کو اس کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور یہ بتا دیا گیا کہ ان اللہ خلق آدم علی صورتہ۔ اللہ سبحانہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے" تو انسان کے احسن تقویم پر ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے؟

ایک مسئلہ طلاق پر قرآن سے استدلال

قاضی یحییٰ بن اکثم کا ایک فیصلہ اہل علم کے نزدیک مشہور ہے کہ ان کے زمانہ کے بادشاہ نے چاندنی رات میں اپنی بی بی سے مخاطب ہو کر کہا:۔ ان لم تکونی احسن من القمر فانت کذا۔

اگر تم خود کو چاند سے زیادہ خوب صورت ثابت نہ کرو گی تو تم کو طلاق ہے۔" اس پر تمام علماء نے طلاق کا فتویٰ دیا۔ جب یہ فتویٰ قاضی صاحب موصوف کے پاس پیش ہوا تو انھوں نے فیصلہ صادر کیا کہ طلاق نہیں ہوئی۔ لوگوں نے کہا کہ آپ نے اپنے اساتذہ کا بھی خلاف کیا تو جواب دیا کہ جس کا علم ہم سب سے زیادہ ہے اس نے ایسا فتویٰ دیا ہے:۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ ہم نے انسان کو بیشک بہتر سے بہتر صورت پر پیدا کیا ہے۔" اس کے خلاف میں کیسے فیصلہ صادر کر سکتا ہوں۔"

احسن تقویم کی دوسری تفسیر حضرت عکرمہ فرماتے ہیں:۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ قال شباب وشدۃ۔ (عبد بن حمید ابن جریر ابن المنذر ابن ابی حاتم) ارشاد باری تعالیٰ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم سے مراد یہ ہے کہ ہم نے انسان کو اچھی صورت، معتدل خلقت پر بنایا (پھر اس کو) بھرپور جوانی دی، اور ہر طرح کی قوت بخشی"۔ کہ اس پر جتنی بھی ذمہ داریاں عاید کی جائیں ان کے انجام دینے سے جی نہیں چراتا۔ خواہ ان کا تعلق تہذیب نفس سے ہو یا تدبیر منزل سے یا سیاست مدن سے۔ ہر کام میں دل کھول کر حصہ لیتا اور ہر فرض کو کما ینبغی ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ بلکہ ہر کام کے نئے نئے طریقے ایجاد کرتا اور

گزرے ہوئے لوگوں پر بھی سبقت لیجاتا ہے۔ اس اعتبار سے موجودات عالم پر نظر
ڈالو تو انسانی ایجادات و اختراعات کی ایک نئی دنیا ہی بسی ہوئی نظر آتی ہے کہ
ہر میدان خواہ وہ علم و معرفت کا ہو یا عمل و اختراع کا۔ اپنے اندر بڑی وسعت
اور گنجائش رکھتا ہے۔ گزرے ہوئے لوگوں کی تاریخ پڑھو۔ اور موجودہ دور کے
واقعات کا مشاہدہ کرو تو پتہ چلتا ہے کہ ہر دور میں اس وقت کے حالات اور اقتضا
کے مطابق اہم تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ اس وقت بھی ہو رہی ہیں اور آئندہ بھی
ایسی تبدیلیاں ہوتی رہیں گی۔ زمانہ ایک حال پر قائم نہیں ہے ہر لحظ اور ہر آن
نت نئی صورتیں پیش آتی رہتی ہیں۔ ایک سے ایک بہتر اور ایک سے ایک مفید تر۔
بہرحال جب مخلوقات میں صفت کمال انسان کی ذات میں ودیعت رکھی گئی ہے
تو اس کا ظہور کس طرح ہو رہا ہے؟ اس کی نسبت ارشاد ہے:۔

95-6 ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا 95-5
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ پھر پھینک دیا
اس کو نیچوں سے نیچے۔ مگر جو یقین لائے اور عمل کئے اچھے' ان کے لئے ہے
ثواب بے انتہا۔"

اسفل سافلین کی تفسیر | حضرت عکرمہ فرماتے ہیں: ثم رددناہ

اسفل سافلین قال یرد الی ارذل العمر (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم)
ارشاد باری تعالیٰ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ سے مراد یہ ہے کہ ہم نے انسان کو اس کی جوانی اور قوت کے دور کے بعد پھینک دیا نیچوں سے نیچے۔ یعنی نکمی عمر کی طرف ڈھکیل دیا جس کے باعث وہ یا تو اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ تک ترقی کر رہا تھا۔ اور ترقی کے مدارج طے کرتا جاتا تھا۔ اب نکمی عمر کی منزل میں جا پہنچا تو اس کی یہ حالت ہو گئی کہ پست سے پست تر مقام میں جا گرا۔ اس حالت میں نہ وہ کیف جوانی ہے اور نہ وہ قوت و جولانی۔ درماندگی کی ایسی پست اور نکمی منزل میں اتر آیا ہے کہ اس سے پست تر کوئی منزل نظر نہیں آتی۔ اب وہ حیوانات سے بھی گرا ہوا ہے اور نباتات و جمادات سے بھی گیا گزرا ہے کہ کوئی بھی اس کو خاطر میں تک نہیں لاتا۔

اجر غیر ممنون کی تفسیر

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ۔ مگر جو لوگ ایمان لائے اور کام کئے اچھے تو ان کے لئے ہے ثواب جو کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔" حضرت حبر الامۃ ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ فایما رجل کان یعمل عملا صالحا وھو قوی شاب فعجز عنہ جری لہ اجر ذلک العمل حتی یموت۔ چنانچہ جو کوئی مومن کسی اچھے کام میں لگا ہوا تھا جب کہ وہ قوی اور جوان تھا اب وہ ارذل العمر کو پہنچ کر اس سے

عاجز رہ گیا ہو تو اس کے اس عمل صالح کا ثواب اس کے اعمال نامہ میں لکھا جاتا ہے اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے کہ اس کا آخری وقت آجائے جس میں اس کی موت مقدر ہے"۔ یہ فضیلت صرف مومنین صالحین کے لئے ہے۔

پیر مومن پر اللہ کا فضل حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت میں مزید صراحت یہ ہے:۔ اذا بلغ المؤمن ارذل العمر وکان یعمل فی شبابہ عملا صالحا کتب اللہ لہ من الاجر مثل ما کان یعمل فی صحتہ وشبابہ ولم یضرہ ما عمل فی کبرہ ولم یکتب علیہ الخطایا التی یعمل بعد ما یبلغ ارذل العمر (سعید بن منصور، ابن جریر، عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ)

بندۂ مومن جب نکمی عمر کو پہنچ جاتا ہے اور وہ اپنی جوانی میں جو کچھ اعمال صالحہ کیا کرتا تھا تو اللہ سبحانہ روزانہ وہ تمام اعمال صالحہ جو اپنی تندرستی اور جوانی میں کیا کرتا تھا (اور اب بڑھاپے کی وجہ سے ان اعمال صالحہ کی بجا آوری سے عاجز اور قاصر رہ گیا ہے) اس کے نامہ اعمال میں لکھ دیتا ہے۔ اس کے علاوہ اپنے بڑھاپے میں اس سے کوئی برا کام سرزد ہو یا ارذل العمر کو پہنچ جانے کے بعد اس سے غلطیاں سرزد ہوں تو ان کو نہیں لکھا جاتا"۔ یہ اسی صورت میں ہے جب کہ اس کے حواس قائم نہ ہوں تو ظاہر ہے کہ اس کی مثال ایک مجنون کی سی ہے جو شرعاً مرفوع القلم ہے، یا وہ نابالغ

کم عمر بچے کی طرح ہے جو شریعت کی پابندی سے آزاد ہے۔ لڑکپن کے زمانہ کی غلطی غلطی نہیں اور اس زمانہ کا گناہ نہیں۔ مجنون کا حال بھی یہی ہے۔

بیمار اور مسافر پر اللہ کا فضل حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ اذا کان العبد علی طریقۃ من الخیر فمرض او سافر کتب اللہ لہ مثل ما کان یعمل ثم قرأ لھم اجر غیر ممنون۔ (ابن مردویہ) جب بندہ (اپنی تندرستی میں یا وطن میں مقیم رہنے کے زمانے میں) بھلائی کی راہ پر قائم تھا (یعنی کچھ کارہائے خیر کیا کرتا تھا) پھر وہ بیمار ہو گیا یا سفر پر روانہ ہوا (اب اس حالت میں وہ کارہائے خیر اس سے چھوٹ گئے یا خلل پذیر ہوئے) تو اللہ سبحانہ (اس کے دوبارہ تندرست ہونے تک یا مسافر اپنے وطن کو واپس آنے تک) اتنے ہی اعمال صالحہ اس کے اعمال نامہ میں لکھواتے رہتے ہیں جنکو وہ صحت واقامت کے زمانے میں کیا کرتا تھا۔" گویا انسان کے ارذل العمر کو پہنچنے سے پہلے بھی مرض یا سفر کی وجہ سے اس کی کوتاہی سے درگزر کر کے پورا پورا اجر اس کے اعمال نامے میں لکھے جانے کا حکم فرماتے ہیں۔ یہ اللہ سبحانہ کا فضل ہے جو مومن صالح کے حال پر ہے۔ الحمد للہ علی احسانہ۔ حضرت امام بخاری نے بھی اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت کی ہے۔

آفت زدہ اور مبتلا پر اللہ کا فضل

حضرت شداد بن اوس رض فرماتے ہیں کہ میں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سُنا آپ فرماتے تھے :۔

اذا ابتلیت عبدا من عبادی مؤمنا فحمدنی علی ما ابتلیتہٗ فانہ یقوم من مضجعہ کیوم ولدتہ امہ من الخطایا ویقول الرب عزوجل انی انا قیدتہ وابتلیتہ فاجروا لہ ما کنتم تجرون لہ قبل ذالک وھو صحیح۔ (طبرانی) (اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ) جب میں اپنے بندوں میں سے کسی بندۂ مومن کو کسی مصیبت یا تکلیف میں مبتلا کرتا ہوں اور وہ میری اس ابتلا وآزمائش پر میری حمد کرتا ہے تو وہ جب اپنی خوابگاہ سے اٹھتا ہے تو ایسی حالت میں اٹھتا ہے کہ وہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے وقت گناہوں سے پاک صاف تھا۔ اور پروردگار عزوجل کا ارشاد ہوتا ہے کہ اس کو میں نے ہی اپنی قید میں مقید کیا ہے اور اپنے ابتلا میں مبتلا کیا ہے لہذا (اے فرشتو!) اس کے اعمال صالحہ کو لکھنا جاری رکھو جو اس کی تندرستی کے زمانے میں لکھا کرتے تھے۔"

کراماً کاتبین کو اللہ کا حکم

حضرت مکحول تابعی سے روایت ہے کہ حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے :۔ اذا مرض العبد یقال لصاحب الیمین اکتب لہ احسن ما کان یعمل فانی اعلم بہ وانا قیدتہ

(ابن عساکر) جب بندہ بیمار ہوجاتا ہے تو بائیں جانب جو فرشتہ (انسان کی بداعمالیوں کو لکھنے کے لئے) مامور و متعین ہے اس سے (اللہ سبحانہ کی طرف سے) کہا جاتا ہے کہ اس بندے سے اپنا قلم روک لے (یعنی اس کی برائیاں لکھنا موقوف کردے) اور داہنی جانب کے فرشتے سے (جو انسان کی نیکیاں لکھنے پر مامور ہے) کہا جاتا ہے کہ اس بندے کے بہترین اعمال جن کو وہ (صحت و تندرستی کے زمانے میں) کیا کرتا تھا لکھتا رہ کیونکہ میں اس (کی نیت اور ارادے) سے خوب واقف ہوں (کہ اگر وہ تندرست رہتا تو اپنی عادت کے موافق نیک کام کرتا رہتا) اور میں نے ہی اس کو (بیماری میں مبتلا کرکے اپنی) قید میں رکھا ہے " کہ وہ بیماری کی حالت میں چل پھر نہیں سکتا اور اپنے مشاغل حسنہ جاری رکھنے پر قادر نہیں۔

قرآن داں اور قرآن خواں نکمی عمر کو نہیں پہنچتے

حضرت سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں:—

من قرأ القرآن لم یرد الی ارذل العمر و ذلك قوله ثم رددناه اسفل سافلین الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات قال الا الذین قرأوا القرآن۔ (حاکم بروایت صحیحہ بیہقی) جس کسی شخص نے قرآن کریم پڑھ لیا ہے وہ نکمی عمر کو نہیں پہنچنے پائے گا۔ اس کا ثبوت اللہ سبحانہ کے ارشاد ثم رددناہ اسفل سافلین الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات میں

موجود ہے کہ پھر ہم نے انسان کو نیچوں سے نیچے پھینک دیا مگر جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے (وہ نیچوں سے نیچے نہیں پھینکے جائیں گے یہ ایمان لانے والے اور اچھے کام کرنے والے) وہی لوگ ہیں جنھوں نے قرآن کریم پڑھ لیا ہے" کیونکہ اعمال صالحہ کی بنیاد علم صحیح ہے۔ اور جس کا عمل قرآن کریم کے احکام پر مبنی ہو اس کا عمل عمل صالح ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے؟ اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن کریم کے جاننے والے یا تلاوت کرنے والے عمر دراز نہیں پاتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کی عمریں کتنی ہی دراز ہوں وہ اس نکمی حالت پر نہیں پہنچائے جاتے کہ وہ اپنی حاجات ضروریہ کی تکمیل میں دوسروں کے دست نگر اور محتاج ہو جائیں بلکہ وقت آخر تک اپنے کام آپ کر سکتے رہتے ہیں جس طرح کوئی صحیح و تندرست آدمی اپنا کام آپ انجام دے سکتا ہے۔

مضمون صدر کی تائید اس کی تائید حضرت عکرمہؒ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جس میں وہ کہتے ہیں:۔ کان یقال من قرأ القرآن لم یرد الی ارذل العمر ثم قرأ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددناہ اسفل سافلین الا الذین آمنوا و عملوا الصالحات قال لا یکون حتی لا یعلم من بعد علم شیئا۔ (عبد بن حمید، ابن جریر) یوں کہا جاتا تھا یعنی یہ بات

عام طور پر مشہور تھی کہ جو کوئی شخص قرآن کریم پڑھ لیتا ہے وہ نکمی عمر کو نہیں پہنچ سکتا پھر انہوں نے یہ آیات کریمہ اس کے ثبوت میں پڑھیں (جن کا ترجمہ یہ ہے کہ) بیشک ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا ہے پھر ہم نے اس کو نیچوں سے نیچے ڈال دیا مگر جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کرتے رہے " یہ اس سے مستثنے ہیں یہ لوگ اسفل سافلین میں نہیں ڈالے جائیں گے یعنی نکمی عمر کو نہیں پہنچنے پائیں گے تاکہ ان پر اللہ سبحانہ کا یہ قول صادق نہ آئے لا یعلم بعد علم شیئا۔ یعنی سب کچھ جان لینے کے بعد، کچھ بھی نہ جاننے والے قرار پائیں " کیونکہ انسان جب نکمی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اس کو ذہول ہونا شروع ہوتا ہے۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ وہ سب کچھ جانتا تھا۔ اور اب یہ حالت ہے کہ اس کو کسی چیز کی خبر نہیں قرآن پڑھے ہوئے شخص پر ایسی حالت اور کیفیت طاری نہیں ہوسکتی۔ یہ قرآن کریم کی برکت ہے۔

قرآن کریم کا علم پائدار ہے حضرت عکرمہ نے دوسرے موقع پر فرمایا: ثم ردد ناہ اسفل سافلین قال الھرم لم یجعل فیہ قوۃ ما کان لکی لا یعلم بعد علم شیئا قال ولا ینزل تلک المنزلۃ احد قرأ القرآن وذلک قولہ الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات قال ھم اصحاب القرآن

(عبد بن حمید ابن ابی حاتم) اسفل سافلین سے کھوسٹ بڑھاپا مراد ہے جس میں سابقہ قوت برقرار نہیں رہتی ایسا بڑھاپا اس لئے دیا جاتا ہے کہ سب کچھ جاننے کے بعد وہ کچھ نہ جانتا ہو پھر فرمایا کہ جو کوئی قرآن کریم پڑھ چکا ہو وہ ایسی نکمی حالت میں نہیں ڈالا جائے گا کیونکہ اللہ سبحانہ نے ایمان لانے والوں اور اچھے کام کرنے والوں کو اس سے مستثنےٰ فرمادیا ہے۔ اس کی تفسیر میں انھوں نے کہا کہ وہ اہل قرآن ہیں جو اس حکم سے مستثنیٰ ہیں " ان پر ایسا کھوسٹ بڑھاپا نہیں ڈالا جائے گا کہ لڑکپن اور جوانی میں یا ایسی حالت کو پہنچنے سے پیشتر ہی انھوں نے قرآن کریم کا علم حاصل کیا تھا تو ایسا علم ان سے کبھی سلب نہ ہوگا نہ اس میں کمی ہوگی۔

تفسیر صدر کی بنیاد روایات صدر میں اسفل سافلین کی تفسیر ارذل العمر سے جو کی گئی ہے وہ ارشاد باری تعالیٰ ومنکم من یرد الی ارذل العمر پر مبنی ہے کہ (اے لوگو!) تم میں بعض وہ ہیں جو نکمی عمر تک پہنچائے جاتے ہیں " چنانچہ حضرت عکرمہ، ضحاک، ابراہیم نخعی اور قتادہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے: ــ المراد بذلک ردہ الی الھرم وضعف القوی الظاھرۃ والباطنۃ ۔ اسفل سافلین سے انسان کا بڑھاپے تک پہنچا دیا جانا اور اس کے قوائے ظاہری و باطنی کا ضعیف سے ضعیف تر ہو جانا مراد ہے " اور دوسری جگہ

ارشاد باری ہے :- ومن نعمرہ ننکسہ فی الخلق ۔ اور ہم جس کو عمرہ دراز وطویل دیتے ہیں تو اس کو پیدائش میں جھکا دیتے ہیں " یعنی پیدائش کے وقت وہ جیسا ضعیف و ناتوان تھا اور ہر کام میں دوسروں کی مدد کا محتاج تھا۔ انسان کے بڑھاپے میں بھی اس کی وہی حالت سابقہ عود کر آتی ہے کہ ہر امر میں وہ دوسروں کا دست نگر ہو جاتا ہے ۔ جوانی کی طاقت اور اس کی تازگی اور رونق سب کچھ دور ہو جاتی ہے ۔ جیسا کہ شاعر کہتا ہے ؎

فرد شعورھن السود بیضا ورد وجوھھن البیض سودا

ان کے سیاہ بال سفید ہو گئے اور انکے بارونق گورے گورے چہرے سیاہ پڑ گئے "

بال اور چہرے پر ہی کیا منحصر ہے انسان کی قامت کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ اس کی پیٹھ جو سیدھی تھی بڑھاپے میں خمیدہ ہو جاتی ہے ، جلد پر جھریاں پڑ جاتی ہیں ، سماعت و بصارت جواب دے دیتی ہے ، اور اسی طرح اس کے تمام قوائے ظاہری و باطنی متاثر ہو جاتے ہیں ۔ قدم لڑکھڑانے لگتے ہیں ، آواز پست ہو جاتی ہے ، طاقت سلب ہو جاتی اور ہر چیز میں ضعف و ناتوانی دکھائی دیتی ہے ، حواس مختل ، دماغ معطل ، فکر کی رسائی مفقود ، نسیان غالب ، طبیعت میں تلوّن آجاتا ہے ؎

مرا ہم چنیں چہرہ گلفام بود — بلوریم از خوبی اندام بود
دو رستہ درم در دہن داشتے — چو دیوارے از خشت سیمیں بپائے
کنونم نگہ کن بہ وقت سخن — بیفتادہ یک یک چو سور کہن
مرا ہم چنیں جعد شبرنگ بود — قبا در بر از نازکی تنگ بود
دریں غایتم رشتہ باید کفن — کہ مویم چو پنبہ است و دوکم بدن

(سعدی علیہ الرحمہ)

اس حالت میں اگر کوئی اس کو دیکھے تو حیرت میں رہ جاتا ہے کہ آج اس کی کیا حالت ہو گئی؟ یہی انسان پہلے کیا تھا؟ غرض یہ تفسیر انسان کے اعضا و جوارح اور قوائے ظاہری و باطنی کے تغیر کے اعتبار سے تھی جو صحیح ہے۔

اسفل سافلین کی دوسری تفسیر

بعض مفسرین کرام نے اسفل سافلین کی تفسیر میں فرمایا ہے:۔ والمعنی ثم جعلناہ من اہل النار الذین ہم اقبح من کل قبیح واسفل من کل سافل خلقا وترکیبا لعدم جریہ علی موجب ماخلقناہ علیہ من الصفات۔ (روح المعانی)

اس اعتبار سے آیۂ کریمہ ثم رددناہ اسفل سافلین کے معنی یہ ہیں کہ انسان کو احسن تقویم میں پیدا کرنے کے بعد ہم نے اس کو اہل نار (دوزخیوں) میں سے قرار دیا جو کہ ہر قبیح سے قبیح تر اور ہر نچلے درجہ والے سے اسفل تر ہے کیونکہ جن

ملکات فاضلہ اور استعدادات عالیہ کیا تھا انسان کو پیدا کیا تھا اس کی روش اور اس کا چال چلن اس کے خلاف رہا۔ اگر وہ اپنی فطری استعداد اور صلاحیتوں سے کام لیتا تو مائل بخیر ہو کر وہ کمال حاصل کرتا کہ فرشتوں پر بھی سبقت لے جاتا۔ مگر اس کا میلان بجائے خیر کے ہمیشہ شر کی طرف رہا شر کا مقام نیچا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اپنی فطری استعداد اور صلاحیتوں کو بگاڑ لے کر اسفل سافلین میں جا پہنچا جہاں تک شیطان کی رسائی بھی نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ ارشاد باری عزاسمہ ہے :۔

کمثل الشیطان اذ قال للانسان اکفر فلمّا کفر قال انّی برئ منك انّی اخاف اللہ ربّ العالمین ۔ اس کی مثال شیطان کی سی ہے جبکہ اس نے انسان سے کہا تھا کہ تو کافر ہو جا۔ پھر جب وہ کافر اور منکر ہو چکا تو کہنے لگا کہ میں تجھ سے بیزار ہوں۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام عالمین کا رب ہے"۔ شیطان بھی کسی نہ کسی مرتبہ میں خدا کا خوف ظاہر کرتا ہے اور جھوٹ موٹ سنانے دکھانے کے لئے ہی سہی مارے خوف کے لرزنے لگتا ہے مگر خدا کا منکر کسی حالت میں بھی اللہ سے نہیں ڈرتا۔ پھر اس کا مقام کہاں ہوگا سمجھ لیجئے اسی لئے دوسری جگہ اس مضمون کی وضاحت یوں فرمائی گئی :۔ انّ الذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین فی نار جھنّم خالدین فیھا اولئك ھم شرّ البریّۃ

یقیناً وہ لوگ جو منکر ہوئے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) میں سے اور مشرکین میں سے وہ دوزخ کی آگ میں ہمیشہ پڑے رہیں گے وہ بدترین مخلوقات ہیں۔"

تفسیر ثانی کے متعلق سلف صالحین کے اقوال

اسفل سافلین کی یہ دوسری تفسیر بھی سلف صالحین سے مروی ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔

ھذا الکافر من الشباب الی الکبر ومن الکبر الی النار (طنطی) یہ اسفل سافلین میں جانے والا کافر (خدا کا منکر) ہے جو جوانی سے بڑھاپے کی طرف اور بڑھاپے سے دوزخ کی طرف دھکیل دیا جاتا ہے۔" اور حضرت حسن بصری فرماتے ہیں:۔ ثم رددناہ اسفل سافلین قال فی نار جھنم۔ (عبد بن حمید) اسفل سافلین سے جہنم کی آگ مراد ہے جس میں کفار دھکیل دئے جائیں گے۔" اور حضرت ابو العالیہ فرماتے ہیں:۔ فی النار فی شر صورۃ۔ (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) یعنی کفار دوزخ میں پھینک دئے جائیں گے بدترین صورت میں (متبدل ہو کر)۔" اگرچہ وہ دنیا میں کیسے ہی حسین خوبصورت ہوں۔ حضرت قتادہ اور مجاہد سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ الغرض ان دونوں تفسیروں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ پہلی تفسیر ظاہری صورت کے اعتبار سے ہے اور دوسری باطنی سیرت کے اعتبار سے۔ اور ہر ایک تفسیر بجائے خود صحیح ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ

انسان صورت کے اعتبار سے بھی تمام مخلوقات سے بہترین صورت کا حامل ہے اور سیرت کے لحاظ سے بھی اس کو کمال حاصل ہے اگر نیک ہوا تو فرشتہ بھی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا اور اگر بد رہا تو شیطان بھی اس کا مد مقابل قرار نہیں پا سکتا۔ اگرچہ یہ کوئی قابل تعریف بات نہیں لیکن اس سے انسان کے اقتدار اور استعداد کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

غیر ممنون کی تفسیر اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ۔ مگر جو ایمان لائے (اور ہماری باتوں پر) یقین کیا اور شائستہ کام کرتے رہے تو ان کے لئے ثواب ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا" یعنی جو لوگ اپنی فطرت سلیمہ پر قائم رہے اور خداداد صلاحیت اور استعداد سے شائستہ کام لیا۔ شائستہ کام یہی کہ اللہ سبحانہ نے جن کاموں کا حکم دیا انکی بجا آوری میں لگے رہے اور جن امور سے منع فرمایا ان سے باز رہے تو ان کو اوامر کے بجا لانے اور منہیات سے باز رہنے کا ثواب ہمیشہ ہمیشہ ملتا رہیگا جس کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا۔ حضرت سیدنا ابن عباسؓ نے غیر ممنون کی تفسیر میں فرمایا:۔

غیر منقوص۔ (سعید بن منصورؒ ابن جریرؒ عبد بن حمیدؒ ابن المنذرؒ ابن ابی حاتمؒ ابن مردویہؒ) یعنی ان کے ثواب میں کچھ بھی کمی نہ ہوگی۔ پورا پورا ثواب ملتا رہیگا" حضرت

عکرمہ فرماتے ہیں :۔ یوفیہ اللہ اجرہ وعملہ فلایواخذہ اذا رد الی ارذل العمر (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) اللہ سبحانہ اس کا ثواب پورا پورا دیگا اور اس کے عمل کو بھی جاری رکھیگا۔ پھر اگر وہ نکمی عمر کو پہنچ جائے تو اس سے کسی قسم کا مواخذہ بھی نہیں فرمائے گا کہ تم نے فلاں کام کیوں کیا اور فلاں کام کیوں نہ کیا؟ اس لئے کہ ارذل العمر کو پہنچ جانے کے بعد نہ ان کے حواس ہی قائم ہیں اور نہ اچھے برے کی تمیز ہی باقی رہتی ہے۔ ایسے سن رسیدہ لوگوں سے سوال ہی کیا؟ ہاں جب تک ہوش و حواس قائم تھے اور عقل ٹھکانے تھی شائستہ کاموں میں حکم الہی کے بموجب لگے ہوئے تھے۔ حضرت مجاہد غیر ممنون کی تفسیر میں فرماتے ہیں :۔ غیر محسوب۔ (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) یعنی ان کو بے حساب ثواب ملتا رہیگا" کہ اس کا اندازہ کرنا بھی کسی سے ممکن نہوگا یہ اس بنا پر کہ بندے نے اللہ سبحانہ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنا سب کچھ راہِ خدا میں دے دیا تھا اور تن من دھن کی بازی لگا دی تھی تو اس کی جزا بھی یہی ہوسکتی ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ بھی اپنا سب کچھ اس فانی فی اللہ، باقی باللہ، بندے کے لئے وقف فرما دے۔ اب حساب وکتاب کا کیا ذکر؟

غیر ممنون کی دوسری تفسیر	حضرت عکرمہ سے غَیْرُ مَمْنُوْنٍ کی دوسری

تفسیر بھی مروی ہے: — من رد منہم الی ارذل العمر جری لہ من الاجر
مثل ما کان یعمل فی صحتہ و شبابہ فذلک الاجر غیر ممنون
قال ولا یمن بہ علیہم۔ (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) ایمان
والوں اور شائستہ کاموں میں لگے رہنے والوں میں سے جو لوگ نکمی عمر کو پہنچ جاتے
ہیں تو ان کے ایمان اور اعمال صالحہ کا اجر اسی مطابق ان کے اعمال ناموں
میں لکھے جانے کا سلسلہ جاری رہتا ہے جیسا کہ وہ اپنی صحت و تندرستی اور
قوت و شباب کے عالم میں جاری رکھے ہوئے تھے لہٰذا یہ اجر کبھی ختم نہ ہوگا
مدت العمر جاری رہیگا۔ پھر فرمایا: — ولا یمن بہ علیہم۔ اور اس اجرائے
سلسلہ ثواب کا کوئی احسان ان پر نہ دھرا جائے گا اور نہ ان پر منت رکھی
جائے گی۔ یہ مومنین صالحین کا انتہائی اعزاز ہے کہ ہر طرح کے احسان کے باوجود
ان پر منت نہ رکھی جائے۔ اس سے اللہ سبحانہ کی قدر افزائی کا اندازہ کیا
جا سکتا ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ کو مومنین صالحین کے ساتھ کیسی محبت ہے۔
یحبہم ویحبونہ۔ اللہ سبحانہ کو ان سے محبت ہے اور انکو اللہ سبحانہ تعالیٰ سے"

95-7 فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۝ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ 95-8
الْحٰكِمِيْنَ ۝ع تو (اے انسان) یہ سب معلوم ہونے کے بعد کیا چیز باعث ہے ع ۸/۲۰

تجھے انصاف کے جھٹلانے پر؟ کیا نہیں ہے اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم؟"

فما یکذبک کی تفسیر تقریر بالا سے جب معلوم ہو چکا کہ انسان جو احسن تقویم میں پیدا ہوا۔ اور اس کو اکتساب خیر و شر کی کامل استعداد و صلاحیت دی گئی تو اس کو اختیار حاصل ہے کہ آئندہ زندگی کا رُخ جس طرف چاہے پھیر لے۔ غور کرے کہ خیر و شر کی دو راہیں جو اس کے آگے کھلی ہوئی ہیں ان میں سے کس کو اختیار کرے؟ اگر شر کی راہ اختیار کرتا ہے تو اس کی انتہا اسفل سافلین (نار جہنم) پر ہے۔ کیا یہ راہ ایسی مخلوق کیلئے جو احسن تقویم پر ہو موزونیت و مناسبت رکھتی ہے؟ جو احسن الخالقین کی ناراضی اور غضب کی جگہ ہے اور جہاں طرح طرح کے آلام و مصائب ہیں جو کبھی ختم ہونے والے نہیں۔ یا راہ خیر اس کے مناسب حال ہے جس کا ثمرہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی ہے جس کی قدردانی اور ثواب کی کوئی انتہا نہیں اور با ایں ہمہ اس پر کسی نوع کی منت نہیں رکھی جائے گی اور نہ کبھی احسان جتایا جائیگا؟ بہر حال اللہ سبحانہ کے پاس ہر کام کی جزا اور مکافات ہے۔ کوئی عمل بے نتیجہ یا رائیگاں نہیں۔ انسان کا ہر ہر کام چھوٹا ہو یا بڑا اس کے نامۂ اعمال میں لکھا ہوا ہے۔ اور اسی کے مطابق سزا و جزا مرتب ہوگی۔

انسان سے ایک سوال جب ہر کام کی جزا مسلم ہے اس لئے سوال ہو رہا ہے:۔

فَمَا یُکَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّیْنِ ۔ تو اے انسان ! کیا چیز باعث ہو رہی ہے جو ان تمام امور کے معلوم ہونے کے بعد بھی تو اللہ سبحانہ کے انصاف کی تکذیب کر رہا ہے ۔ نہ دین یعنی جزا کو خاطر میں لاتا ہے اور نہ یوم الدین یعنی روز جزا کا قائل ہوتا ہے ۔ آخر دنیا میں بھی جہاں تو رہتا بستا تھا حکومتیں قائم تھیں اور حکام مقرر تھے اور ہر حکومت کا ایک قانون تھا ۔ اگر رعایا اس قانون کی پابندی کرے تو حکومت کی طرف سے ان کا اعزاز بڑھایا جاتا اور ایسے لوگوں کی قدر افزائی کی جاتی تھی ۔ ان کو ہر قسم کی سہولتیں دی جاتی تھیں ۔ اور جو لوگ ایسے ہوں جو قانون کی خلاف ورزی پر اتر آتے تو ان کو گرفتار کیا جاتا ۔ ان پر مقدمہ چلایا جاتا اور ہر جرم کی مناسبت سے ان کو سزا دیجاتی تھی ۔ اور جو لوگ ایسے ہوں کہ نہ وہ حکومت کو تسلیم کرتے اور نہ اس کے قانون کو مانتے تو ان کو باغی قرار دیکر عبرت ناک سزائیں دیجاتی تھیں ۔ یہ حالات اور واقعات دنیا کی حکومتوں اور حکام کے تھے جس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا تو سمجھنے کی بات ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ جو تمام کائنات کا خالق یکتا ہے اور جس کی حکومت کائنات کے ذرہ ذرہ پر ہے کوئی چیز اس کے حکم سے باہر نہیں ہوسکتی ۔ اس نے بھی ایک قانون بنایا ہے جو اس کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے ۔ ان میں بھی مطیع و فرمانبردار بندوں کے لئے ہر طرح کے اعزاز و اکرام اور بدکاروں اور منکروں کیلئے طرح طرح کے مصائب و آلام بتلادئے گئے ہیں ۔

پھر مزید کرم یہ کہ اللہ کی کتابوں کو سمجھانے اور ان پر عمل کرکے بتانے کے لئے اپنے مقدس ومنتخب برگزیدہ بندوں کو مبعوث فرمایا جو دنیا میں رونق افروز ہوکر اللہ سبحانہ کی کتابیں پڑھ پڑھ کر سناتے رہے۔ رسلا مبشرین ومنذرین۔ رسولوں اور پیغمبروں کو بھیجتا رہا جو سب کے سب نیکوکاروں کو جنت کی خوشخبری سناتے رہے اور بدکاروں اور منکروں کو نار دوزخ سے ڈراتے گئے۔ پھر سب سے آخر حضور خاتم النبیین سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کو مبعوث فرمایا کہ آپ کے بعد پھر کوئی نبی یا رسول نہ آئینگے۔ اور آپ پر اپنی مقدس کتاب قرآن کریم نازل کی جس کے بعد پھر کوئی کتاب نازل نہ ہوگی۔ اسی کتاب مقدس کا حکم تا قیام قیامت جاری رہیگا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ورسالت بھی آخر تک قائم وبرقرار رہیگی فما یکذبك بعد بالدین تو پھر کیا چیز باعث ہو رہی ہے کہ انسان کو جزائے اعمال اور روز جزا کا منکر بنا رہی ہے؟ اور انسان اعمال کی جزا اور یوم الجزا کی تکذیب کر رہا ہے؟

فما یکذبك میں ایک نکتہ یہاں فما یکذبك ارشاد ہو رہا ہے فمن یکذبك ارشاد نہیں ہوا۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ کلمۂ من موصولہ ذوی العقول کیساتھ مختص ہے۔ اس کے یہاں استعمال نہ کئے جانے میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ کوئی عقلمند تو جزا اور روز جزا کا انکار نہیں کرسکتا۔ کیونکہ جزائے اعمال کو عقل سلیم تسلیم

کرتی ہے یا اینہمہ کچھ لوگ اس کے منکر ہیں تو ان کا یہ انکار اقتضائے عقل کے مطابق تو نہیں ہو سکتا۔ اسلئے کلمہ من کی جگہ فَمَا یُکَذِّبُکَ ارشاد ہوا کیونکہ کلمہ مَا غیر ذوی العقول پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ عقل انسانی تو جزائے اعمال کی تکذیب نہیں کر سکتی۔ پھر اور کیا چیز ایسی ہے جو جزائے اعمال کی تکذیب کرتی ہو اور واقعہ یہ ہے کہ ذوی العقول سے ہٹ کر غیر ذوی العقول میں بھی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو جزائے اعمال کو جھٹلاتی ہو پس ایسی حالت میں دین یعنی جزا کو جھٹلانا ہر اعتبار سے غلط ہے۔

الیس اللہ باحکم الحاکمین کی تفسیر الیس اللہ باحکم الحاکمین۔ جب تمام حکام اپنے قانون کی پابندی پر انعام و اکرام سے کام لیتے ہیں اور خلاف ورزی اور انکار پر سزا دیتے ہیں تو اللہ سبحانہ جس کی حکومت اور پادشاہت کو کبھی زوال نہیں اور جس کی حکومت و پادشاہت ساری کائنات ارضی و سماوی سب پر جاری و ساری ہے وہ تمام حاکموں کا حاکم اور تمام پادشاہوں کا پادشاہ نہیں ہے؟ ضرور وہ سب کا حاکم اور یقیناً سب کا پادشاہ ہے۔ کوئی ذرہ اس کی حکومت اور پادشاہت سے باہر نہیں ہے اور نہ ہو سکتا۔

فما یکذبك کا مخاطب انسان ہے عن منصور قال قلت لمجاھد فما یکذبك بعد بالدین .... عنی به النبی صلی اللہ علیہ وسلم

قال معاذ اللہ انما عنی بہ الانسان ۔ (فریابی عبد بن حمید ابن جریر ابن ابی حاتم) منصور کہتے ہیں کہ میں نے (امام تفسیر) حضرت مجاہد سے دریافت کیا کہ فما یکذبک میں کاف خطاب سے کیا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا: خدا کی پناہ یہاں خطاب صرف انسان سے ہے۔ ذات اقدس مراد نہیں۔ اس لئے ہم نے ترجمہ میں اسکی صراحت کر دی ہے تاکہ کسی قسم کی غلط فہمی نہ ہو۔

الیس اللہ کا جواب حضرت قتادہ ارشاد باری تعالیٰ الیس اللہ باحکم الحاکمین کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ۔ ذکر لنا ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول بلیٰ وانا علی ذلک من الشاھدین۔ (عبد بن حمید) ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ اللہ سبحانہ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الیس اللہ باحکم الحاکمین کے جواب میں جس میں یہ سوال ہو رہا ہے کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بزرگ و برتر حاکم نہیں ہے؟ فرمایا کرتے تھے۔ کیوں نہیں بے شک آپ سب سے بزرگ و برتر حاکم ہیں۔ اور میں بھی اسکی گواہی دینے والوں سے ہوں" حضرت خلیل ابو صالح رضی فرماتے ہیں: ۔ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتی علی ھذہ الآیۃ الیس اللہ باحکم الحاکمین یقول سبحانک فبلیٰ۔ (عبد حمید) حضور نبی دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (تلاوت فرماتے ہوئے) جب آیۂ کریمہ الیس اللہ باحکم الحاکمین پر پہنچتے تو فرماتے: ۔ سبحانک فبلیٰ آپ کی

ذات پاک ہے۔ کیوں نہیں آپ بالضرور سب حاکموں سے ارفع و اعلیٰ حاکم ہیں۔" حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:۔ من قرأ والتین والزیتون فقرأ الیس اللہ باحکم الحاکمین فلیقل بلیٰ وانا علی ذالک من الشاھدین۔ (ترمذی، ابن مردویہ) جو کوئی شخص سورۂ والتین والزیتون کی تلاوت کرتے ہوئے الیس اللہ باحکم الحاکمین پڑھے تو اس کو یہ بھی کہنا چاہیئے:۔ بلیٰ وانا علی ذالک من الشاھدین حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا:۔ اذا قرأت والتین والزیتون فقرأت الیس اللہ باحکم الحاکمین فقل بلیٰ (ابن مردویہ) جب تم والتین والزیتون پڑھتے ہوئے الیس اللہ باحکم الحاکمین پڑھو تو بلیٰ کہو۔" حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے:۔ انہ کان اذا قرأ الیس اللہ باحکم الحاکمین قال سبحانک اللھم فبلیٰ۔ (ابن جریر، ابن المنذر) وہ جب الیس اللہ باحکم الحاکمین پڑھتے تو کہتے:۔ سبحانک اللھم فبلیٰ۔ یعنی اے اللہ! آپ کی ذات پاک ہے۔ پھر کیوں نہیں بیشک آپ احکم الحاکمین ہیں۔" یہ حکم عند الاحناف نوافل میں اور خارج نماز تلاوت کیلئے ہے۔ دیگر ائمہ کے پاس فرض نمازوں میں بھی یہ جواب دیا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

سورۂ تین کی تفسیر ختم ہوئی۔ الحمد للہ والمنۃ۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔